اِیمان

انسانی شعور کا بنیادی مقدمہ



نعمان نیئر کلاچوی

اِیمان

انسانی شعور کا بنیادی مقدمہ

یَآاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوٓا۔۔۔اٰمِنُوْا

اے مسلمانو! ایمان لے آؤ

(النساء۔136)

نعمان نیئر کلاچوی

نام مقالہ	اِیمان (انسانی شعور کا بنیادی مقدمہ)
مصنف	نعمان نیئر کلاچوی
ناشر	مرشد پبلی کیشنز، کلاچی، ڈیرہ اسماعیل خان
پی ڈی ایف ایڈیشن	جولائی، 2025

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
1	پیش گفتار	05
2	ایمان بالغیب کی تفہیم	10
3	ایمان اور انسانی ذات	17
4	ایمان اور کائنات	20
5	ایمان اور دنیا	22
6	ایمان کی مشق	24
7	ایمان کا سفر	27

پیش گفتار

مجھ سے اکثر احباب پوچھتے رہتے ہیں کہ ہم نماز پڑھتے ہیں لیکن سکون نہیں ملتا۔تلاوت کرتے ہیں لیکن سکون حاصل نہیں کر پاتے، آخر کیوں؟ ۔میرا جواب ہوتا ہے کہ بھائی لوگو آپ کو کہا کس نے ہے کہ نماز سکون حاصل کرنے کیلئے پڑھی جاتی ہے؟، یا تلاوت ذہنی اطمینان کیلئے کی جاتی ہے؟۔نہیں ایسا بالکل بھی نہیں ہے۔نماز کو قرآن صلوٰۃ کہتا ہے جس کے دو مظاہر ہیں ایک قوتِ قاہرہ کا ظہور جب یہ اجتماعی صورت اختیار کرلے جبکہ ذاتی نوعیت میں یہ تذکیر کیلئے اَدا کی جاتی ہے تا کہ ہدایت ذہن نشین رہے۔ اِس کے علاوہ تلاوت کا مقصد ذہنی سکون حاصل کرنا نہیں بلکہ اخلاقی شعور کی بیداری کو تیز کرنا ہوتا ہے تا کہ انسان ہر آن ہر لمحہ بہتر سے بہترین مؤمن بنتا چلا جائے۔

دین کوئی ذہنی اطمینان ہوتا ہے یہ دراصل ایک صوفیانہ شعور ہے جس کا اسلام سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔صوفی چونکہ مسلم ہو گئے تھے چنانچہ آہستہ آہستہ یہ لوگ اپنی ذاتی واردات کو بھی دین میں داخل کرتے چلے گئے اور آج نماز اور روزہ صرف ذہنی سکون حاصل کرنے کا طریقہ(Method) بن گئے ہیں۔

اسلام میں ایمان درحقیقت اخلاقیات کی ایک فکری بنیاد ہے نہ کہ کوئی صوفیانہ تجربہ۔فلہٰذا یہاں معروف صوفی بزرگ ابو طالب مکی کی قوت القلوب اور امام غزالی کی مکاشفۃ القلوب کام نہیں آتے کہ یہ دراصل اُنہی بزرگوں کے ذاتی تجربات ہیں، بلکہ یہاں جو کچھ کارآمد ہے وہ فکری نہج اور اِسی کی بنیاد پر اخلاقی پوزیشن کا انتخاب ہے تا کہ انسان کیلئے نہ صرف فکری آزادی ممکن ہو جائے بلکہ اپنی مرضی سے اخلاقی پوزیشن کا انتخاب بھی پوری طرح رُو بہ عمل ہو جائے۔

ایک لمحے کیلئے اگر ایمان کو مشاہدہ و تجربہ کے دائرے میں لے آئیں تو بتائیے اب انسان کے پاس استدلال

کی قوت اور اخلاقی پوزیشن کا انتخاب باقی رہے گا یا انسان مجبور محض بن جائے گا؟ یقیناً ایسی صورت میں انسان ایک مجبور وجود بن جائے گا اور پھر نہ تو خدا پر ایمان کی ضرورت باقی رہے گی اور نہ ہی انسانی شعور اور اخلاقیات کسی کام کے رہیں گے حتیٰ کہ انسان انسان بھی نہیں رہے گا۔اب اِسی ایک نکتے کو بار بار ذہن میں تازہ کرتے چلے جائیں تو جلد سمجھ آجائے گی کہ اسلام ایمان بالغیب کا تقاضا کیوں کرتا ہے۔

ایمان کوئی کہانی نہیں کہ سن کر سر دُھن لیا اور بات آئی گئی ہوگئی۔ایمان تو ذہانت کا خلاصہ ہے۔یہ انسانی شعور اور جذبات کا تحفظ (Intellectual and Emotional Security) ہے۔عام ذہنی سطح کے لوگوں کیلئے یہ ایک جامع تشفی اور عقلمندوں کیلئے ایک جامع توجیہ ہے۔ایمان ناپید ہو جائے تو انسان شدید قسم کے وجودی بحران (Existential Crisis) کا شکار ہو کر اندر سے بالکل کھوکھلا ہو جاتا ہے جیسے کسی قدیم درخت کے تنے کا خول اندر سے گَل سڑ کر کھوکھلا ہو جائے۔اِسی کھوکھلے پن سے نجات حاصل کرنے کیلئے انسان یا تو خودکشی کر لیتا ہے یا پھر پوری طرح نڈھال ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔شکیب جلالی اُردو زبان کا ایک ذہین اور قابل شاعر تھا۔وجودی بحران سے لڑتا جھگڑا آخرکار بیچارہ خودکشی کر بیٹھا۔لکھتا ہے۔ع

بھیگی ہوئی اِک شام کی دہلیز پہ بیٹھے
ہم دل کے سُلگنے کا سبب سوچ رہے ہیں
ہم اُبھرے بھی ڈوبے بھی سیاہی کے بھنور میں
ہم سوئے نہیں شب ہمہ شب سوچ رہے ہیں

اگر صرف سوچنے سے کام چل پڑتا تو کیا ہی بات ہوتی لیکن زندگی تیقّن کی طالب رہی ہے اور یہی وہ کانٹا ہے جو ہمیں ربّ العفّار ذوالرّحمت کے قریب لے جاتا ہے۔ایمان محض اطلاع نہیں ہے اور نہ ہی یہ کوئی ذہنی خلل یا نفسیاتی یا جذباتی مجبوری ہے بلکہ ایمان ضرورتِ عقلیات و جمالیات اور انسانی شعور کا بنیادی مقدمہ ہے۔ایک حیات بخش اور متحرک و مسلسل تجربہ ہے۔ہم کون ہیں؟ کہاں سے آئے اور کہاں جانا ہے؟۔بندر یا گوریلے کی طرح درختوں کی

ٹہنیوں پر پھُد کنے والے جانور ہیں یا ہمارے اندر کچھ ایسا بھی ہے جو ہمیں شرفِ انسانیت سے ہمکنار کرتا ہے۔ عدل کی طلب، حُسن کی طلب اور خیر کا پیچھا ایک بندر کیسے کرسکتا ہے بھلا؟۔آخر بندر بھی تو ہمارے آس پاس موجود ہیں۔ بھیڑ بکریاں بھی تو موجود ہیں۔آخر کوئی گائے غور وفکر کیوں نہیں کرسکتی؟۔کوئی بکری اپنے اُوپر ہونے والے ظلم کیلئے بغاوت کا راستہ کیوں نہیں اپنا سکتی؟۔کیونکہ وہ انسان نہیں ہے۔جی ہاں انسان جس کے اندر قادرِ مطلق خدا نے اپنی روح پھونکی ہے۔

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۚ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ۔

پھر ہم نے انسان کے وجود کو درست کیا یعنی ایک موزوں قالب میں ڈالا اور پھر اِس کے اندر اپنی روح پھونک دی ،اورتم کو کان دیئے، آنکھیں دِیں اوردل دیئے۔تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔(سورہ السجدہ۔آیت 9)۔پس انسان کے اندرشعور اوراخلاقی وجود درحقیقت خدا قادرِ مطلق کی دَین ہے۔اب کون دعویٰ کرسکتا ہے کہ انسان اپنے وجود اورشعور کا خود خالق ہے؟۔سچ اور جھوٹ، نیکی اور بدی انسان خود پیدا کرسکتا ہے؟۔خدا کے بغیر تو انسان جانور سے بھی گیا گزرا ہوجاتا ہے کہ جانور کم ازکم خدا کا انکار تو نہیں کرسکتے۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۚ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ۔

اور یہ حقیقت ہے کہ بہت سے جن اور انسان ایسے ہیں جن کو ہم نے جہنم کیلئے پیدا کیا ہے(اُن کے اعمال کے سبب)۔اِن کے پاس دل ہیں مگر وہ اُن سے سوچتے نہیں۔اِن کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ اُن سے دیکھتے نہیں۔اِن کے پاس کان ہیں مگر وہ اُن سے سنتے نہیں۔وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ گئے گزرے، یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھوگئے ہیں۔(سورہ الأعراف۔179)

وحی کی روشنی کے بغیر انسان اِس پوری کائنات میں اِس قدر تنہاء، بے بس اور حیران و پریشان کھڑا ہے کہ سوائے

خودکشی کے کوئی چارہ نہیں سُوجھتا۔ جب خدا ہی نہیں تو پھر کیا سچ کیا جھوٹ، کیا عدل کیا ظلم، کیا خیر کیا شر، کیا زندگی کیا موت، کیا جینا اور کیا مرنا حتیٰ کہ انسان عقلی طور پر بالکل اَپاہج ہو کر مرنے کے قریب پہنچ جاتا ہے بلکہ آج کا انسان مُردے سے بھی بدتر ہو چکا ہے۔ذہنی دباؤ (Depression)، ذہنی تناؤ (Stress)، مستقل اُداسی (Anxiety)، اُکتاہٹ (Boredom)، وہمی حملہ (Obsessive Compulsive Disorder)، حرماں نصیبی (Deprivation)، حرماں اعتمادی (Low Self-Esteem)، لامقصدیت (Absurdism) دراصل ایمان سے محرومی کے سبب پیدا ہونے والی نفسیاتی بیماریاں ہیں۔ اب دلچسپ اور افسوس ناک بات یہ ہے کہ اِن تمام مذکورہ نفسیاتی بیماریوں کا علاج نشہ آور دوائیوں سے کیا جارہا ہے اور یہ کون کر رہے ہیں، وہ ماہرِنفسیات جو خود اِن نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہیں۔ اِن تمام بیماریوں کا صرف ایک ہی علاج ہے اور وہ ہے قرآن کی یہ آیت۔

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔

اے پیغمبر مؤمنین سے کہو" ہمیں ہرگز کوئی بُرائی یا بھلائی نہیں پہنچتی مگر وہ جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے۔ اللہ ہی ہمارا مولیٰ ہے اور اہلِ ایمان کو اُسی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔(سورہ التوبہ۔آیت 51)۔اب جولوگ انسانی شعور کو سر میں موجود پانی سے بھرے چربی کے ایک لوتھڑے سے جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں وہ بھلا کیسے یقین کر سکتے ہیں کہ یہ تمام مذکورہ بیماریاں ایمان سے دوری کا نتیجہ ہیں۔ اِس کے برعکس جولوگ ایمان رکھتے ہیں کہ وہ بے فائدہ نہیں پیدا کئے گئے اور نہ وہ اِس وسیع وعریض کائنات میں تنہاء و بے بس ہیں بلکہ وہ خدا قادرِمطلق کی نظر میں ہیں بھلا وہ کیوں محبت، ہمدردی، رحم، ایثار اور اخلاص کو" نیورانز کی فائرنگ" سمجھیں گے۔

طبیعی سائنس نہ تو اِس وسیع وعریض کائنات کی کوئی معقول توجیہ پیش کر سکی ہے اور نہ انسان کے اندر موجود شعور اور اخلاقی و جمالیاتی احساس کا معقول مآخذ بتا سکی ہے، تو پھر کیوں نہ ہم ایمان کی کامل اور معقول تشفی کو قبول کر لیں؟۔ بالفرض طبیعی سائنس اپنے مفروضات کو مشاہدہ کی صورت میں بھی ہمارے سامنے پیش کر دیتی پھر بھی یہ مادہ

اور شعور اپنا خالق آپ تو نہیں ہوسکتا۔ یہ اَمر اب مسلّم ہے کہ انسان اور یہ کائنات حادث (Eventual) ہیں یعنی یہ کبھی نہیں تھے اور اب ہیں اور پھر ایک وقت میں نہیں ہو جائیں گے۔ اصل سوال تو وہیں رہ گیا کہ جو چیز نہیں تھی وہ کیسے واقع ہوگئی اور پھر فناء کیسے ہو جاتی ہے؟۔ اصل میں جو چیز نہیں تھی اور پھر وہ ہوگئی سادہ اُصول ہے کہ وہ خود بخود نہیں ہوسکتی اُس کیلئے ایک ایسی ہستی کو بہر صورت ہونا چاہئے جو ہو اور نہ صرف ہو بلکہ ہمیشہ سے ہو، مستقل اور قادرِ مطلق بھی ہو۔ ایک ایسی ہستی جو ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہے، وہ اللہ ہی ہے۔

اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَۚ اَلۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ۔

اللہ، وہ زندہ و جاوید ہستی ہے جو نظامِ کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، حقیقت میں اُس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔

(سورہ آلِ عمران۔ آیت 2)

خدا کی معرفت ایمان کی پہلی اینٹ ہے چنانچہ جب تک خدا کی پہچان تک رسائی نہیں ہوگی تب تک ایمان کی کوئی صورت ممکن نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ خدا کی معرفت کے سوا انسان کے پاس اور کوئی چارہ ہی نہیں۔ خدا کی معرفت کے متعلق میرا ایک مقالہ" خدا کی معرفت" مطالعہ کی چیز ہے۔

فقیر

نعمان نیئر کلاچوی

28 مئی، 2025

ایمان بالغیب کی تفہیم

آج اگر ایک باشعور انسان کو ایمان کی سمجھ نہیں آتی تو اِس کی بنیادی وجہ عموماً مسئلۂ شر(Problem of Evil) ہی ہوتی ہے۔ایک باشعور انسان جب دیکھتا ہے کہ میرے آس پاس انتہاء درجے کی ناانصافی ظلم، جبر اور ناگہاں حادثات ہو رہے ہیں تو ایسے میں وہ سوچتا ہے کہ اگر کوئی قادرِ مطلق خدا ہوتا تو یقیناً ایک آن میں یہ سب کچھ ٹھیک کر دیتا اور انسان ہر لحاظ سے ایک پُرسکون زندگی بسر کر رہا ہوتا۔

چنانچہ ایمان سے دور کرنے والا یہی ایک بہت پرانا مسئلہ ہے جو ایک عامی اور ذہین دونوں کو یکساں طور پر پریشان کر رہا ہے۔آزاد خیال اِس مسئلے سے جان چھڑانے کیلئے صاف طور پر کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں اور اِس کائنات کو بنانے والا کوئی عادل اور رحمدل خدا نہیں ہے جبکہ عامی کہہ دیتا ہے کہ یہ سب دُکھ خدا خود میرے لئے لکھ رہا ہے اِس لئے اِنہیں خدا کی مرضی سمجھ کر قبول کرنا ہی میری قابلیت ہے۔دونوں تصوّرات باطل ہیں۔جو لوگ زندگی میں دکھ کی وجہ سے خدا سے بے بہرہ ہو جاتے ہیں وہ کبھی سکھی نہیں ہو پاتے پھر چاہے گوتم بدھ جیسا ذہین ترین اور ضبطِ نفس (Self Control) کا حامل انسان کیوں نہ ہو۔اِسی طرح ایک عامی بھی اِس یقین کے ساتھ کہ اُس کی زندگی کا ایک ایک عمل خدا خود لکھ رہا ہے، زندگی میں کبھی سکھی نہیں ہو پاتا جبکہ اِس سے کہیں بڑی مصیبت یہ ہے کہ یہ دونوں کبھی بھی حقیقی ایمان تک نہیں پہنچ پاتے۔

آج اگر آپ یوٹیوب پر ملحدین کا ایمان کے خلاف کوئی ایک جاندار اعتراض نوٹ کریں تو وہ یہی مسئلۂ شر ہے۔یہ ملحد دو دو گھنٹے صرف ایک ہی بات دُہرا رہے ہوتے ہیں کہ اگر کوئی اِس کائنات کا قادرِ مطلق خدا ہے تو پھر فلاں معصوم بچی کا ریپ کیوں ہوا ہے اور فلاں مقام پر معصوم بچے کیوں قتل کئے جا رہے ہیں یا فلاں فلاں کا بیٹا اور بیٹی تو پیدائشی معذور ہیں، آخر اُن کا کیا قصور ہے۔

اصل میں مسئلہِ شرکی مَیں تفصیلی وضاحت اپنے ایک مقالے میں کر چکا ہے چنانچہ یہاں پر بحث دُہرانے کی ضرورت نہیں بلکہ مسئلہِ شرکو دلائل کے ساتھ سمجھنے کیلئے وہ مقالہ ضرور پڑھ لیں۔

یہاں پر مَیں ایمان بالغیب کی وضاحت کروں گا جس کو نہ سمجھنے کے سبب گوتم بدھ جیسا ذہین انسان بھی فکری ٹھوکر کھا چکا ہے۔

ایمان بالغیب کا اصلی مطلب اِس کائنات کے قادر مطلق، عادل مطلق، عالم مطلق خدا پر بلا مشاہدہ و تجربہ یقین ہے۔ پہلے یہ سمجھ لیں کہ کیا ایسا کوئی خدا ممکن بھی ہوسکتا ہے یا یہ صرف ہمارا کوئی وہم یا خیال ہے۔

چلیں سب سے پہلے اپنے وجود پر غور کرتے ہیں۔ آپ فرض کرلیں کہ آپ ایک دعوت میں مدعو ہیں اور وہاں آپ پہلے بکرے کا گوشت کھالیتے ہیں۔ پھر تازہ سلاد کھالیتے ہیں جس میں ٹماٹر اور تازہ کھیرے ہیں اور آخر میں میٹھے آم کھالیتے ہیں۔ چنانچہ جب یہ سارا کچھ یعنی گوشت، ٹماٹر، کھیرے اور آم آپ کے پیٹ میں جاتے ہیں تو آپ کا بے شعور جسم گوشت سے Vitamin B12، ٹماٹر سے Vitamin C، کھیرے سے Vitamin K اور آم سے Vitamin A حاصل کرکے آپ کے جسم کی مطلوبہ ضروریات پوری کر دیتا ہے۔ علاوہ ازیں جب تک آپ کے جسم میں کوئی خلل پیدا نہ ہو جسم کا درجہِ حرارت ساڑھے چھتیس سینٹی گریڈ سے آگے نہیں بڑھتا۔ اب اصل سوال پر غور کریں کہ ایک بے شعور جسم کو یہ سب ہدایات کون اور کیوں جاری کر رہا ہے؟۔

یہاں پر ایک سادہ وضاحت یہ پیش کی جاسکتی ہے کہ یہ سب قدرتی طور پر ہو رہا ہے، تو سوال یہی ہے نا کہ اِس قدرتی طور سے آخر مراد کیا ہے؟۔ کوئی مراد نہیں سوائے اِس کے کہ ہمیں ایک باشعور اور بااِرادہ ایسی ہستی پر یقین کرنا ہوگا جس کا مشاہدہ و تجربہ تو نہیں ہو رہا لیکن اُس کا ہونا صاف سمجھ آرہا ہے۔ آپ کیلئے یہ مثال یقیناً مضحکہ خیز بھی ہوسکتی ہے لیکن مثال میں جو اہم سوال چھپا ہے اُس کا جواب آپ قیامت تک نہیں دے سکتے جب تک کہ آپ ایک باشعور اور اِرادہ و اختیار کی حامل ہستی پر یقین نہ کرلیں۔

اب آجائیں کائنات پر کہ کروڑوں سالوں سے سورج ہمیں صرف اتنی ہی حرارت دے رہا ہے جتنی ہمیں ضرورت ہے، نہ ضرورت سے کچھ زیادہ نہ کم۔ سورج کو ایسی خاص ترتیب پر آخر کس باشعور ہستی نے ٹیون کیا ہے؟۔ اگر مَیں آپ سے کہوں کہ دو سال پہلے میرے گٹار کی تاریں ٹوٹ گئی تھیں تو مَیں نے اُسے اپنے گودام میں رکھ دیا اور جب دو سال بعد دیکھا تو اُس کی تاریں بالکل ٹھیک ہوگئی تھیں تو کیا آپ میری اِس بات پر یقین کریں گے؟۔ یقیناً نہیں، تو پھر بتائیں کہ ہم کیسے یقین کرلیں کی سورج کی یہ اِس قدر خاص ترتیب سے ٹیوننگ خودبخود کیسے ہوگئی ہے؟۔ فلسفے کی دنیا میں اِسے دلیلِ نظم (Teleological Argument) کہتے ہیں۔ یعنی انسانی جسم اور اِس کائنات میں اِس قدر لطیف ترتیب (Fine Tuning) کیسے ممکن ہے اگر اِس کا کائنات کوئی باشعور پیدا کرنے والا اور پھر اِسے ایک خاص نظم میں قائم رکھنے والا کوئی خدا نہیں ہے؟۔ یقیناً اِس سوال کا جواب موجود نہیں لیکن سوال کو موقوف کر کے یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اگر اِس کائنات کا کوئی باشعور خدا ہے تو پھر وہ کہاں ہے اور ہمیں کیوں نظر نہیں آتا۔ یہ ہے اصل سوال اور اِسی سوال کے جواب پر مبنی ہے ہماری یہ بحث۔

ایک لمحے کیلئے اگر ہم مان لیں کہ اِس کائنات کا ایک قادرِ مطلق، عادلِ مطلق اور عالمِ مطلق خدا ہے تو پھر وہ کدھر ہے اور ہمیں نظر کیوں نہیں آتا؟۔

اِس سوال کے جواب دینے سے قبل آپ ایک نظر انسان کے وجود پر دوڑا لیں کہ انسان ایک ایسا وجود ہے جس کے پاس ایک عدد جسم، ایک عدد شعور، ایک عدد اخلاقی و جمالیاتی احساس اور ایک عدد اِرادہ و اختیار ہے۔ انسانی شعور فکری آزادی پیدا کر دیتا ہے اور اِرادہ و اختیار انسان کو عمل کی دنیا میں بالکل کھلا چھوڑ دیتا ہے جبکہ اخلاقی احساس انسان کو صرف اپنی ذاتی صوابدید پر خیر کو اختیار کرنے اور شر سے بچنے کا موقع فراہم کر دیتا ہے۔ یہی وہ موقع ہے جس کے سبب اِس دنیا میں دُکھ پیدا ہو رہے ہیں۔ انسان کے بنیادی دُکھوں

کے پیچھے انسان کے اپنے اِرادہ و اختیار کا عمل دخل ہوتا ہے ۔ چنانچہ اِرادہ و اختیار کا غلط استعمال ہی حقیقی دُکھ پیدا کرتا ہے ۔ رہی بات قدرتی آفات کی تو جب کوئی کائناتی مصیبت انسان کیلئے دکھ پیدا کرتی ہے تو ایک صورت یہ کہ اُس دکھ سے بچاؤ کا طریقہ ایجاد کیا جاتا ہے یا اگر ایسا دکھ ناگزیر ہوتا ہے تو اُسے خدا کی حتمی منشاء سمجھ کر اُس پر صبر کیا جاتا ہے کہ اِس کے علاوہ انسان کے پاس کوئی دوسرا راستہ ہی نہیں ہوتا کیونکہ انسان مطلق مختار نہیں بلکہ عبدِ مختار ہے ۔

اب اگر ایک لمحے کیلئے خدا اپنا آپ ظاہر کر دے تو بتائیے انسان کے پاس اُس کا اپنا کیا کچھ رہ جائے گا؟ ، کچھ بھی نہیں ۔ سب سے پہلے فکری آزادی گئی ۔ پھر اخلاقی احساس گیا اور آخر میں اِرادہ و اختیار بھی بیکار ہوا ۔ کیوں؟ ، کیونکہ خدا قادرِ مطلق کا مشاہدہ کرنے کے بعد آخر کس محتاج مخلوق میں یہ جرأت باقی رہ سکتی ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کے خلاف کھڑا ہو کر اپنے فلسفے بیان کرتا پھرے؟ ، بتائیں ذرا ، ایسا ہو گا یا نہیں؟ ۔ یقیناً ہو گا ، پس ثابت ہوا کہ مخلوق کیلئے خدا کا اَدنیٰ سا مشاہدہ بھی مخلوق کو کسی بھی حالت میں مخلوق نہیں رہنے دیتا اور یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ایمان بالمشاہدہ کے مطالبے پر جواب دے دیا کہ

لَّا تُدۡرِكُهُ ٱلۡأَبۡصَٰرُ وَهُوَ يُدۡرِكُ ٱلۡأَبۡصَٰرَۖ وَهُوَ ٱللَّطِيفُ ٱلۡخَبِيرُ ۔

نگاہیں اُس کو نہیں پا سکتیں اور وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے ، اور وہ تو آخری درجے میں لطیف (Subtle) اور باخبر ہے ۔ (سورہ الأنعام ۔ آیت 103)

یعنی کسی مخلوق کے بس میں ہی نہیں کہ وہ اپنے خالق کا مشاہدہ کر سکے ، پھر سمجھ لیجئے کہ کسی بھی مخلوق میں اتنی قدرت نہیں کہ وہ اپنے خالق کا مشاہدہ کر سکے ۔ بتائیے ایک اعلیٰ سے اعلیٰ تصویر میں یہ شعور موجود ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے مصوّر کا ادراک کر سکے؟ ، یقیناً نہیں ، لیکن اِس کے برعکس ایک مصوّر پوری طرح باخبر ہوتا ہے کہ اُس کی تخلیق میں کیا کمی بیشی رہ گئی ہے اور اِسے مزید کتنا عمدہ بنایا جا سکتا ہے ۔ پس ثابت ہوا کہ جس قدر شعور اور

اِرادہ واختیار ایک مخلوق کیلئے ضروری تھا وہ خالق و مالک نے دے دیا، اب اگر اِس سے ایک اِنچ بھی آگے بڑھنے کی کوشش کی جائے گی تو نتیجہ تو یا خالق کے کھلم کھلا انکار کی صورت میں نکل آئے گا یا پھر یہ کہ انسان خود کو مجبور و محتاج سمجھ کر کسی غار میں بیٹھ جائے گا۔ یعنی ایمان بالغیب کا مطالبہ دراصل انسان کی اپنی ٹیوننگ کو مدّنظر رکھ کر کیا گیا ہے ورنہ خدا قادرِ مطلق چاہتا تو ایک ایسی مخلوق پیدا کر لیتا جس میں اپنے ہونے کا ناگزیر شعور رکھ دیتا اور انسان فرشتوں کی طرح خدا کا مطلق بندہ بن کر زندہ رہتا لیکن نہیں، انسان نہ تو فرشتہ ہے اور نہ ہی خود خدا بلکہ فرشتے اور ابلیس دونوں کی صلاحیتوں کا حامل ہے، پس چاہے تو ایمان اور عمل صالح کے ذریعے فرشتوں سے آگے بڑھ جائے، چاہے تو ظلم و زیادتی اختیار کر کے ابلیس سے بھی دو ہاتھ آگے نکل جائے۔ صلاحیتیں دونوں طرح کی موجود ہیں اور فکر و عمل کی حقیقی آزادی بھی میسر ہے تاکہ کل کو خدا کے سامنے جب حساب لینے کی باری آئے تو انسان کوئی عذر پیش کرنے کے قابل نہ رہے۔

چنانچہ ایمان بالغیب کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ بنا سوچے سمجھے خدا پر یقین کر لینا جیسے کہ انسان کسی خیال کے پیچھے لگ جاتا ہے یا جانے انجانے میں کوئی وہم پال لیتا ہے بلکہ ایمان بالغیب کا مطلب ہے اِس کائنات کے قادرِ مطلق خدا کو اِس اطمینان کے ساتھ مان لینا کہ انسان کے پاس خدا کے انکار کی کوئی فکری بنیاد باقی نہ رہے۔ فکری بنیاد سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی ذات اور کائنات پر اِس قدر غور کر لے تاکہ اُس کی اپنی فکر اُس کے خلاف کھڑی ہو جائے کہ اب خدا قادرِ مطلق کو مانے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں۔ پس اگر ایمان ایسی مضبوط عقلی بنیاد پر کھڑا نہ ہو تو وہ ایمان نہیں وہم ہی رہتا ہے اور ہر دَور میں اکثریت اِسی وہم کو ہی ایمان سمجھتی رہتی ہے۔

بات یہ ہے کہ ایمان بالغیب کی بنیاد کوئی جذبہ یا عقیدت نہیں کہ چلو مست و بے خود ہو گئے تو خدا پر ایمان لے آئے اور جب ذرا ہوش سنبھالا تو خدا کے خیال کو سائیڈ پر رکھ کر پھر سے من مانی شروع کر دی۔ یعنی مسجد میں اللہ ہُو اللہ ہُو اور دفتر میں کھادی آتے پیتی آ یعنی حلال و حرام سب ہڑپ۔

عموماًیہ کہا جاتا ہے کہ ہم نماز پڑھتے ہیں لیکن سکون نہیں ملتا،گویا نماز تو جیسے ایمان کا ثبوت نہ ہوا پناہ خدا کی کوئی نشہ ہوگیا کہ جیسے نیت باندھی سُرور میں آگئے ۔ یاد کرلیں کہ خدا پر ایمان آخری درجے کی بیداری اور عمل صالح آخری درجے کی ذمہ داری ہے۔مسلمانوں کے اِسی اُوٹ پٹانگ رویے سے آج ملحدین یہ استدلال قائم کرتے ہیں کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو اپنے ماننے والوں میں اَدنیٰ درجے کی دیانت بھی پیدا نہیں کرتا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اِس وقت دنیا میں صرف ایک یہی دین اسلام ہی ہے جو ایک انسان میں اصلی دیانت پیدا کرسکتا ہے۔خود کو مسلمان کہنے والے کے ذاتی کرتُوتوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں بنتا ورنہ قرآن مؤمن، مسلم،منافق اور فاسق میں فرق نہ کرتا بلکہ سبھی کے ایمان اور عمل کی تصدیق کردیتا۔نہیں ایسا نہیں ہے۔کوئی شخص اگر ایمان کا حامل ہے لیکن عمل سے خود کو الگ کرلیا تو وہ فاسق ہے۔کوئی شخص ایمان اور عمل دونوں کا حامل تو ہے لیکن اِن دونوں کو صرف اپنی مرضی کے تابع رکھتا ہے تو ایسا شخص منافق ہے اور اگر کوئی شخص پختہ ایمان کے ساتھ عمل میں کمزور ہے تو وہ ابھی مسلم تو ہے لیکن اُسے مؤمن نہیں کہا جاسکتا۔ یہ تمام تفریقات ہی دراصل ایمان اور عمل کی تصدیق کیلئے کافی ہیں۔

ایک پھر دُہرا دیتا ہوں کہ قرآن کے مطابق ایمان سخت شعوری بیداری کا نام ہے اور عمل صالح زبردست اخلاقی ذمہ داری کا نام ہے۔ اِس کے علاوہ ایمان اور عمل کی ہر تعبیر باطل ہے۔ بات یہ ہے کہ خدا پر ایمان کے بغیر نہ تو انسانی فکر کا کوئی فائدہ سامنے آتا ہے اور نہ ہی نیک عمل کی کوئی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ ایمان کے بغیر انسانی شعور بدترین اذیت ہے اور ایمان کے بغیر کوئی بھی عمل محض حالات کا جبر یا مفاد پرستی ہے۔ایمان کے بغیر ہمدردی کا کیا مطلب ہے اگر اِس کی بنیاد ذاتی مفاد نہیں تو؟،یا پھر یہ کہ انسان مجبور ہے کہ وہ نیکی کرے،اِس کے علاوہ کوئی وضاحت ممکن ہے؟،یقیناً نہیں۔

یعنی خدا پر ایمان کے بغیر کوئی بھی نیک عمل اصل میں انسان کے اپنے فائدے کا ذریعہ ہے،لیکن اگر ایسا

نہیں تو پھر انسان بتائے کہ وہ کیوں کسی کے ساتھ نیکی کر رہا ہے؟۔اگر مفاد پرستی مقصد نہیں تو پھر جبر ہے؟،اگر جبر ہے تو پھر انسان کسی عمل کو نیک عمل کس بنیاد پر کہہ رہا ہے جب اُس کے پاس اختیار ہی نہیں؟۔پس ایمان کے بغیر نہ تو فکر کسی ٹھکانے لگتی ہے اور نہ ہی عمل۔

تیسری اور آخری بار دُہرا رہا ہوں کہ ایمان کوئی صوفیانہ تجربہ نہیں کہ اِسے پالینے کے بعد انسان مدہوش ہو جاتا ہے یا پانی پر چلنے لگتا ہے یا جانماز پر بیٹھ کر بیس فٹ اُوپر ہوا میں اُڑنے لگتا ہے بلکہ ایمان آخری درجے میں شعوری بیداری کا نام ہے۔چنانچہ جب شعور اِس قدر بیدار ہو جاتا ہے تو انسان کے ہر عمل کی تحریک خیر سے نکلنے لگتی ہے اور اِسی عمل خیر کو قرآن عمل صالح سے تعبیر کرتا ہے اور یہ ایک کڑی ذمہ داری ہے۔

☆☆☆☆☆

اِیمان اور انسانی ذات

ایمان ایک تجربہ ہے۔ایمان کو ہم نے کتابوں میں بند کر دیا ہے یا مسجد کے خطبوں میں بے آواز کر دیا مگر اِس کا اصلی مقام نہ کتاب ہے نہ مسجد بلکہ انسان کا اندر ہے۔وہ اندر جہاں سوالات شور کرتے ہیں،تنہائیاں چیختی ہیں،خوف اور اُمید کی کشمکش میں دل کا سکون چھُوٹ جاتا ہے۔ایمان کا پہلا مسئلہ یہی ہے کہ ہم اِسے عقیدہ سمجھتے ہیں،جب کہ وہ تجربہ ہے اور تجربہ ہمیشہ یا تو زندہ ہوتا ہے یا مُردہ،بیچ کا کوئی راستہ نہیں۔

وجود کی پُکار:

کسی دن جب ہم رات کو خاموشی میں جاگتے ہیں تو دل پر ایک عجیب بوجھ محسوس ہوتا ہے،یہ نہ معاشی بوجھ ہے،نہ سماجی بلکہ نفسیاتی ہے۔جیسے"کیا یہ سب کچھ بے معنیٰ ہے؟"۔"کیا کوئی ہے جو دیکھ رہا ہے؟"۔"کیا میرا درد سنا جا رہا ہے؟"۔یہ سوالات ہی ایمان کی پہلی دہلیز ہیں۔جنہیں سننا ایمان کی ابتداء ہے۔

ایمان کا آغاز :

جہاں عقل تھک جائے اور دل جاگ جائے تو عقل کی سیر ہمیں مذہب پر سوالات تک لے جاتی ہے،مگر یقین تک نہیں۔یقین کی زمین وہاں اُگتی ہے جہاں دل اور عقل ایک دوسرے کی طرف پلٹتے ہیں۔یعنی عقل پوچھتی ہے کیا خدا کا ہونا معقول ہے؟۔دل کہتا ہے اگر خدا نہ ہو،تو میری تنہائی کا کیا جواب ہے؟۔یہی وہ مقام ہے جہاں سے ایمان مفروضہ نہیں،ایک تلاش بن جاتا ہے اور تلاش ہمیشہ انسان کو بدل دیتی ہے۔

ایمان کی ضرورت کیوں؟:

سوال : اگر دنیا میں ظلم،بیماری،ناکامی،تنہائی،دکھ اور ناانصافی ہے تو خدا کو ماننے سے کیا فرق پڑتا ہے؟۔

جواب: فرق صرف اتنا ہے کہ ایمان اِن سب کا ایک معنیٰ دیتا ہے۔

ایمان کہتا ہے : تم بے سبب نہیں ہو۔

ایمان کہتا ہے : تمہارا درد ریکارڈ کیا جا رہا ہے۔

ایمان کہتا ہے : تمہاری کمزوری تمہاری اصل طاقت ہے، اگر وہ خدا سے جڑ جائے۔ایمان ہمیں نظامِ دنیا سے نہیں، نظامِ حقیقت سے جوڑتا ہے۔

ایمان کی نوعیت : سودا یا رابطہ؟۔

قرآن بھی سودا کہتا ہے۔"اِنَّ اللّٰهَ اشۡتَرٰى مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ وَ اَمۡوَالَهُمۡ بِاَنَّ لَهُمُ الۡجَــنَّةَ "۔بلاشبہ اللہ نے مؤمنین سے اُن کی جانیں اور اموال جنت کے بدلے خرید لئے (التوبہ۔آیت 111) مگر یہ سودا بازار کا سودا نہیں، یہ محبت کا سودا ہے جہاں قیمت جان ہے، خریدار خدا ہے اور نفع ایمان ہے۔جب انسان نقد دنیا کو دیکھ کر ایمان کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ روح کو بیچ کر جسم کا سکون خریدتا ہے جو کبھی پورا نہیں ہوتا۔ایمان کے بغیر ہماری ہر کوشش آخر کار ہمارے لئے مصیبت بن جاتی ہے۔ہمارے حال کی ہر کامیابی آخر کار مستقبل کی ایک نئی ناکامی لیکر ہمارے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے۔ایمان کے علاوہ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ بہت کم قیمت، بہت بے فائدہ، بہت فضول اور بہت جلد ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دور جانے والا ہے۔

ہمارا قیمتی مال ومتاع، ہمارے خوبصورت جوان بچے، خوبصورت بیویاں، خوبصورت بنگلے اور گاڑیاں، بینک بیلنس اور رعب دبدبہ، آخر کونسی چیز ہے جو ہمیں حقیقی سُکھ دے سکتی ہے؟۔یہ تو بس ایک مصنوعی چکا چوند ہے جو ہم سے ہمارا ایمان چھین کر بدلے میں ہمیں تنہاء و بے آسرا کر دیتی ہے۔خدا کہتا ہے کہ" اَلۡمَالُ وَ الۡبَـنُوۡنَ زِيۡنَةُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا‌ ۚ وَالۡبٰـقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيۡرٌ عِنۡدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيۡرٌ اَمَلًا "۔ مال اور بیٹے تو دنیاوی زندگی کی محض عارضی خوبصورتی ہیں اور اصل چیز تو وہی ہے جو باقی رہے گی یعنی نیک اعمال جو بدلے اور اُمید دونوں کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک بہتر ہیں۔(الکھف۔آیت 46)

ایمان کی گمشدگی:

آج کا انسان کس چیز سے محروم ہے؟۔آج کا انسان معلومات رکھتا ہے مگر معنیٰ نہیں، آزادی رکھتا ہے مگر اطمینان

نہیں، سہولتیں رکھتا ہے مگر سکون نہیں، تعلق رکھتا ہے مگر ہمدردی نہیں اور یہی ایمان کی عدم موجودگی کا ثبوت ہے کیونکہ ایمان صرف آخرت کا ٹکٹ نہیں، اِس دنیا میں جینے کا سلیقہ بھی ہے۔

نتیجہ

ایمان کو پکارنے سے پہلے سننا سیکھو۔ یہ پہلا باب ایک صدا ہے۔ ایک وجودی پکار جو ہر باشعور انسان کے اندر سے اُٹھتی ہے۔ ایمان اُس پکار کا جواب ہے، کوئی زبردستی نہیں۔ جب انسان یہ جواب شعوری طور پر دینا شروع کرتا ہے، تب وہ ایمان کو محسوس کرنے لگتا ہے۔ اپنے نفس سے ایمان کی کھوج کے بعد اب اِس کائنات میں ایمان کی کھوج کیلئے دلائل لیتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

اِیمان اور کائنات

قرآن بار بار انسان کو آفاق (کائنات) پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ یہ دعوت محض سائنسی تجسس کے لئے نہیں بلکہ ایمان کے شعوری تجربے کو وسعت دینے اور یقین کو زندہ حقیقت میں بدلنے کے لئے ہے۔ جب انسان خدا کے پیدا کردہ نظمِ کائنات میں تدبر یعنی غور و فکر کرتا ہے تو اُسے ایک ایسا زندہ مشاہدہ میسر آتا ہے جو وحی کی سچائی کو دل میں اُتار دیتا ہے۔

کائنات کے حسن میں خالق کا جمال:

سورج، چاند، ستارے، سیارے، کہکشائیں یہ سب محض اجسام نہیں بلکہ ربّ کے جمال کا مظہر ہیں۔ ہر چیز ایک مخصوص مقدار، وقت، فاصلے اور ترتیب میں ہے۔ "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى، الَّذِي خَلَقَ فَسَوّٰى"۔ پاکی بیان کر ربِّ اعلیٰ کی، جس نے پیدا کیا (تمام اشیاء) کو اور پھر اُسے فائن ٹیون کیا۔ (سورہ الاعلیٰ۔ آیات 1۔2)

کائناتی قوانین کی وحدت:

کائنات میں جگہ جگہ ایک ہی اُصول کارفرما ہیں۔ جاذبیت، توانائی کا تحفظ، زندگی کا توازن۔ یہ وحدت اِس بات کی دلیل ہے کہ ساری کائنات کا خالق ایک ہے۔ "لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا"۔ اگر اِس کائنات میں ایک خدا کے علاوہ کوئی دوسرا خدا ہوتا تو پوری کائنات میں فساد بپا ہو جاتا۔ (سورہ الأنبیاء۔ آیت 22)۔

زندگی کا ظہور یعنی بے جان مادہ سے زندگی کا نکلنا، ڈی این اے کی پیچیدگی، شعور کا ارتقاء، اخلاقی و جمالیاتی احساس، محبت، ہمدردی، خلوص، رحم، وفاداری، قربانی، یہ سب محض Blind evolution نہیں بلکہ ایک حکیم اور خبیر ذات کی منصوبہ بندی ہے اور یہ سب احساسات انسان کے اندر ہی پائے جاتے ہیں۔ "وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ"۔ اور تم اپنی نفوس (Self) میں میرے ہونے کے دلائل پاؤ گے، کیا تم بصیرت (Intellect) نہیں رکھتے؟۔ (سورہ الذاریات۔ آیت 21)

موسمی نظام:

بارش، دھوپ، ہوا، فصلیں، رات دن کی ترتیب۔ یہ سب اللہ کی رحمت کے مظاہر ہیں۔ یہ مخلوقات انسان کو زندہ رکھتی ہیں۔خود بے جان ہیں مگر تب بھی اپنا کام پورا کرتی ہیں۔

"وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ"۔اور ہم نے ہر چیز کو پانی کے ذریعے سے زندگی بخشی۔ (سورہ الأنبیاء۔آیت 30)

زمین اور آسمان:

زمین کی زرخیزی، آسمان کا تحفظ، ہواؤں کا نظم، پہاڑوں کا توازن، سب کچھ شعوری نظام میں بندھا ہوا ہے جو محض اتفاق نہیں ہوسکتا۔ "الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً"۔وہ اللہ جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا۔(سورہ البقرہ۔آیت 22)

کائنات میں انسانی کمزوری کی دلیل:

ایک زلزلہ، ایک سیلاب، ایک معمولی وائرس سب کچھ بدل دیتا ہے۔انسان اپنی حقیقت کو پہچانے اور خدا پر اعتماد کرے۔"يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ۔" اے لوگو! تم تو اللہ ہی کے محتاج ہو اور اللہ غنی اور حمید ہے۔(سورہ فاطر۔آیت 15)

نتیجہ

آفاق پر غور صرف ذہن کو روشن نہیں کرتا بلکہ دل میں خدا کی حضوری کو بھی زندہ کر دیتا ہے۔ یہ غور وفکر جب عبادت بن جاتا ہے تو وحی، عقل اور وجدان کے درمیان ایک نیا ربط پیدا ہوتا ہے، یہی ایمان کا زندہ تجربہ ہے۔

☆☆☆☆☆

ایمان اور دنیا

کیاایمان اور طاقت ایک ساتھ ممکن ہیں؟۔ یہ سوال بظاہر سادہ ہے لیکن اِس کے اندر صدیوں کی فکری کشمکش، روحانی جدو جہد اور دنیاوی نظام کے ساتھ تصادم پوشیدہ ہے۔" ایمان" کا مفہوم اگر صرف عبادت، دعا یا کسی غیبی ہستی پر یقین سے ماوراء ہو کر ایک زندہ، شعوری اور انقلابی تجربہ بن جائے، تو پھر یہ سوال اور بھی پیچیدہ ہو جاتا ہے۔

طاقت کی طلب:

کیا ایک ایسا انسان جو خود کو خدا کی امانت سمجھتا ہو، دنیا کی طاقت اپنے ہاتھ میں رکھ سکتا ہے؟۔ طاقت یعنی یہ فطری طلب ہے یا شیطانی فتور؟۔ انسان جب سے شعور کی سطح پر آیا ہے، وہ دو بنیادی جذبوں کے درمیان جکڑا ہوا ہے یعنی بندگی اور غلبہ۔ بندگی اُسے خدا کی طرف جھکنے پر مجبور کرتی ہے، جبکہ غلبے کی خواہش اُسے دوسروں پر حکمرانی کا خواب دکھاتی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی زندگیوں میں ہمیں اِن دونوں جذبوں کا توازن نظر آتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے مقابل کھڑے ہوتے ہیں، لیکن تخت پر بیٹھنے کی خواہش اُن کے دل میں جنم نہیں لیتی۔ اِسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ و مدینہ کے قائد بنے، لیکن اُن کی چادر زمین پر گھسٹتی نہ تھی (یعنی بادشاہ نہ بنے)، وہ فاتح تھے مگر جابر نہ تھے۔ وہ صاحبِ قوت تھے مگر عاجزی کا پیکر تھے۔ تو کیا طاقت بذاتِ خود ایمان کے منافی ہے؟ نہیں۔ طاقت بذاتِ خود خدا کی امانت ہے لیکن جب طاقت اپنی اصل غایت یعنی" عدل" اور" خدمت" سے ہٹ کر نفس پرستی اور استحصال کا ذریعہ بن جائے، تو یہی طاقت ایمان کو نگل جاتی ہے۔

ایمان کا تقاضا:

یہ ایک عام تصور ہے کہ جو شخص ایمان رکھتا ہے، اُسے دنیا سے دستبردار ہو جانا چاہئے لیکن قرآن جو ایمان کا سب سے مستند ماخذ ہے، ایک مختلف تصویر پیش کرتا ہے:۔ "وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا"۔ اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھولنا۔ (سورہ القصص۔ آیت 77)۔ یہ آیت ایمان اور دنیاوی زندگی کے درمیان خلیج کو مٹا دیتی ہے۔

اسلام میں زہد کا مطلب یہ نہیں کہ انسان فقر و ناتوانی کو تقدیر مان کر بیٹھ جائے بلکہ زہد کا اصل مفہوم ہے، دل میں دنیا کی طلب نہ رکھنا، لیکن ہاتھ میں دنیا کی اصلاح کی طاقت رکھنا۔ طاقت کی ایمانی ذمہ داری کا اصل مصرف ایمان کی روشنی میں یہ ہے کہ کمزوروں کو طاقت دی جائے۔ ظالموں کو روکا جائے۔ عدل کو نافذ کیا جائے۔ حق کو غالب کیا جائے۔

ایمان جب طاقت سے جُڑتا ہے تو وہ ایک نورانی حکومت کی بنیاد بناتا ہے۔ جب حضرت ابو ذر غفاری جیسے صحابہ طاقت کی طلب کو رد کرتے ہیں تو وہ دراصل اِس کے خطرات کو جانتے ہیں، لیکن حضرت علی جیسے حکمران جب تخت سنبھالتے ہیں تو وہ طاقت کو ایمان کا خادم بنا دیتے ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

جدید دنیا میں طاقت کا مفہوم :

طاقت صرف اسلحہ یا سلطنت میں نہیں بلکہ علم، سرمایہ، میڈیا اور ٹیکنالوجی کی شکل میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔ ایک مؤمن اگر اِن تمام ذرائع سے دُور رہتا ہے تو وہ طاقت کے میدان کو شیطان کے لئے خالی چھوڑ دیتا ہے۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مؤمن علم حاصل کرے، معیشت پر اختیار رکھے۔ ٹیکنالوجی کو خیر کی خدمت میں لائے اور دنیاوی نظام کو عدل کے تابع کر دے۔

نتیجہ

ایمان اور طاقت دو نہیں، ایک حقیقت ہے۔ ایمان اور طاقت کو جدا سمجھنا دراصل ایمان کی غلط تعبیر ہے۔ ایمان اگر زندہ ہو تو وہ طاقت کو روشنی دیتا ہے اور طاقت اگر پاک ہو جائے تو وہ ایمان کی خادم بن جاتی ہے۔ لیکن اگر طاقت ایمان سے خالی ہو تو وہ فرعون بن جاتی ہے اور اگر ایمان طاقت سے خالی ہو، تو وہ محرومی، مظلومی اور کمزوری کی تصویر بن جاتا ہے۔ پس اصل چیلنج یہ نہیں کہ ایمان اور طاقت ساتھ ہو سکتے ہیں یا نہیں، بلکہ یہ ہے کہ طاقت کو ایمان کے تابع کیسے رکھا جائے۔ یہی ایک مؤمن کی ایمانی جدو جہد ہے۔ یہی خلافتِ اَرضی کا اصلی راز ہے۔

☆☆☆☆☆

ایمان کی مشق

ایمان ایک شعوری پریکٹس ہے جذبہ نہیں۔ اکثر لوگ ایمان کو ایک وقتی کیفیت سمجھتے ہیں جیسے رونا، وجد میں آجانا، یا نعت سن کر دل بھر آنا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ ایمان ایک پریکٹس ہے بالکل ویسے جیسے ایک موسیقار ہر روز ساز کو چھوتا ہے، یا ایک درویش ہر سانس میں دھیان رکھتا ہے۔ ایمان کوئی لمحاتی جذبہ نہیں، بلکہ مسلسل تکرار ہے جو ایک دن احساس کو حقیقت میں بدل دیتا ہے۔

باطن کی تربیت کیسے ہو؟:

الف : شعور کی تطہیر یعنی علم کی روشنی میں خود کو جاننا۔ روزانہ پندرہ منٹ خاموشی میں بیٹھیں اور اپنے آپ سے ایک سوال کریں۔ ” آج مَیں نے سب سے زیادہ کن چیزوں پر وقت، توجہ اور جذبہ لگایا؟“، پھر غور کریں۔ ”کیا وہ خدا سے جُڑنے والی چیزیں تھیں یا دنیا سے جُڑنے والی؟“۔ یہ محاسبہ روزانہ ایمان کی دھند صاف کرتا ہے۔

ب : احساس کی تجدید یعنی دل کو جھنجھوڑنا۔ ہر روز قرآن کی ایک آیت منتخب کریں اور اُسے ترجمے و تفسیر کے ساتھ صرف خود سے مخاطب سمجھ کر پڑھیں۔ جیسے یہ آیت : "اَلَمۡ يَاۡنِ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُهُمۡ لِذِكۡرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الۡحَـقِّ ". کیا ایمان والوں کے لئے اِس بات کا وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل اللہ کی نصیحت اور جو دینِ حق نازل ہوا ہے اُس کے سامنے جھک جائیں؟۔ (سورہ الحدید۔ آیت 16) پھر خود سے پوچھیں۔ ”کیا میرے دل پر کبھی اللہ کا ذکر اثر انداز ہوا؟، یا یہ سب رسمی ہو گیا ہے؟“۔

ج : ارادے کا مجاہدہ یعنی اپنے نفس کے خلاف چھوٹے جہاد کرنا۔ ہر روز ایک عمل چنیں جو مشکل ہو مگر خیر کا ہو، جیسے کسی دشمن کے لئے دل سے دعا کرنا، یا اپنی ذات سے کسی کو فائدہ دینا۔ اِس عمل کو ”خفیہ عبادت“ بنا لیں۔ کوئی نہ جانے، بس آپ اور آپ کا ربّ اِس عمل سے باخبر ہوں۔ یہ مشقیں انسان کے اندر موجود ایمان کو باہر کے عمل سے جوڑتی ہیں۔

باطن کی ٹیکنیکل اِصلاح :

یمان کو تجربہ بنانے کے لئے درج ذیل روٹین ترتیب دیں:

فجر کے بعد عمل:

پانچ منٹ خاموش مراقبہ۔

مقصد : خدا کی حضوری کا شعور بیدار کرنا۔

دن کے کسی وقت عمل:

صرف خدا کے لئے ایک نیکی کرنا (جیسے کسی کی مدد، دل سے دعا دینا، کسی کی غلطی کو معاف کرنا)

مقصد : خدا کے ساتھ تعلق کو خالص کرنا۔

رات کو سونے سے پہلے عمل:

تین سوالات کے ذریعے محاسبہ کرنا:

آج مَیں نے کیا غلط کیا؟۔آج مَیں نے کیا سیکھا؟۔کَل مَیں خود کو کیسے بہتر بنا سکتا ہوں؟۔

مقصد : نفس کی تربیت اور اِصلاح۔

ہفتہ میں ایک دن عمل:

خاموشی کا روزہ (یعنی غیر ضروری باتوں سے پرہیز، زبان پر مکمل کنٹرول)

مقصد : دل، زبان اور ذہن میں ہم آہنگی پیدا کرنا۔

ایمان کی علامت :

دل کا پُرسکون نہیں، دل کا بیدار ہونا یاد رکھیں۔ایمان کا مطلب ہمیشہ سکون نہیں ہوتا بلکہ بیداری ہوتی ہے۔کبھی ایمان آپ کو اندر سے لرزا دیتا ہے۔کبھی بے چین کرتا ہے۔کبھی ایک ایسی خلش پیدا کرتا ہے جو سونے نہیں دیتی۔کبھی آپ اپنی کمائی کسی پر بغیر کسی وجہ کے خرچ کر دیتے ہیں۔ ہر وقت یہ کھٹکا لگا رہنا کہ کسی کے ساتھ کوئی زیادتی

نہ ہو جائے۔ یہ سب ایمان کی نشانیاں ہیں جیسے ایک زخم جو چُبھ رہا ہو کہ وہ زندہ ہے۔

باطنی ارتقاء کا راز :

استقامت، استقامت، استقامت۔ ایمان کی مشقوں میں سب سے ضروری چیز "استقامت" ہے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ الاستقامۃ فوق الکرامۃ (استقامت کرامت سے افضل ہے)۔ کوئی فوری کرامت، نورانی خواب یا وجدانی کیفیت تلاش نہ کریں۔ یہ سفر ایک چھوٹے پودے کی طرح ہوتا ہے جو روز پانی مانگتا ہے، دھوپ سہتا ہے، اور پھر مہینوں بعد پھل دیتا ہے۔

نتیجہ

ایمان محض پایا نہیں جاتا، تعمیر کیا جاتا ہے۔ باطنی تربیت دراصل ایمان کو "جینے" کی ٹیکنیک ہے۔ یہ مشقیں آہستہ آہستہ انسان کے باطن میں ایک نئی دنیا بیدار کرتی ہیں جہاں ایمان صرف "گمان" نہیں رہتا، بلکہ ایک احساس، تعلق اور عمل بن جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

ایمان کا سفر

ایمان کا سفر ختم نہیں ہوا مگر دروازہ کھل گیا۔ یہ دستور شک سے شروع ہوا، سوالات سے گزرا، تجربے سے پختہ ہوا، اور اب یقین کے دروازے پر کھڑا ہے۔ مگر یاد رکھو۔" ایمان" جامد حالت نہیں، بلکہ ایک زندہ کیفیت ہے جو ہر دن، ہر لمحہ، ہر فیصلے میں تازہ ہوتی ہے۔

ایمان کیا ہے؟۔ ایمان اندھا دھند عقیدہ نہیں، نہ ہی جامد تصور، بلکہ ایک روشن، واضح، اندرونی تجربہ ہے۔ یہ وہ حالت ہے جہاں شک کی گرد بیٹھ چکی ہوتی ہے اور شعور میں سکون، اطمینان اور روشنی پھیل چکی ہوتی ہے۔ قرآن میں ہے: " اَلَّذِیۡنَ آمَنُوا وَتَطۡمَئِنُّ قُلُوۡبُهُم بِذِکۡرِ اللّٰهِ ۗ أَلَا بِذِکۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ"۔ ایسے ہی لوگ ہیں وہ جو ایمان لائے اور اُن کے دلوں کو اللہ کی یاد سے اطمینان نصیب ہوتا ہے، خبر دار رہو! کہ اللہ کی یاد ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان ہوا کرتا ہے۔ (سورہ الرعد۔ آیت 28)

ایمان کا ماخذ:

ایمان صرف کتابوں سے نہیں آتا، نہ دلیلوں سے بلکہ اُس لمحے سے آتا ہے جب انسان خدا کو پکارے اور جواب پائے، دُکھ میں صبر کرے اور سکون پائے، بھٹکے، گرے، ٹوٹے، بکھرے مگر محسوس کرے کہ کوئی ہے جو تھام رہا ہے۔ کوئی ہے جو مجھے سنبھال رہا ہے۔ یہی ایمان ہے۔

نجات:

عام طور پر نجات کو صرف مرنے کے بعد کا مسئلہ سمجھا جاتا ہے مگر حقیقی نجات نفسیاتی بیڑیاں توڑتی ہے۔ خوف، لالچ، غصہ، نفرت، کینہ، بغض، حسد اور دکھ مٹاتی ہے۔ خدا کی قربت آج کے زخم سہلاتی ہے۔ ایمان کی حرارت سے ایک مؤمن مرنے کے بعد نہیں، جیتے جی آزاد ہو جاتا ہے اُن تمام نفسیاتی مصیبتوں سے جو اُسے اِس زندگی نے ایمان سے دور کر کے دی ہوتی ہیں۔" اَلَاۤ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَ لَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ"۔ (خبردار! بلاشبہ اللہ

کے دوستوں کو کوئی خوف (مستقبل میں) لاحق ہوگا اور نہ اُن کیلئے کسی رنج (ماضی میں) کا موقع ہے۔

(سورہ یونس۔62)

ایمان کی علامتیں:

خود پر اور خدا پر غیر متزلزل اعتماد۔

ہر حالت میں شکر، صبر اور میانہ روی۔

موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جینا۔

انسانوں سے محبت مگر خدا کی رضا کے تابع۔

دنیا کی نعمتوں سے دل نہ لگانا، مگر ناشکری بھی نہ کرنا۔

ایمان اور اپنی ذات کی نفی:

ایمان صرف خدا پر یقین نہیں بلکہ اپنی ذات کے واہمے سے بھی نجات کا نام ہے۔ جب انسان یہ مان لے کہ "مَیں مرکز نہیں، وہ ہے"۔ "میری طاقت کچھ نہیں، بس وہی ہے"۔ "میری خواہشات سب فانی ہیں، وہی باقی ہے"۔ تب انسان ایک نئی کیفیت میں داخل ہوتا ہے جہاں خودی فناء ہوتی ہے اور عبودیت اُبھرتی ہے۔

ایمان اور شناخت:

یاد رکھیں ایمان کوئی مخصوص مذہبی شناخت نہیں ہے اور نہ ہی یہ کوئی مُردہ روایت ہے کہ جب تک اِس روایت سے وابستگی اختیار نہ کرلی جائے نجات ممکن نہیں۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ قرآن میں ہے۔

"اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ هَادُوۡا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕیۡنَ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ"۔ (سورہ البقرہ۔ آیت 62)

بھلے کوئی مسلمان ہو، یہودی ہو، عیسائی ہو یا صابی مذہب کا حامل، جس کسی نے بھی اللہ اور آخرت پر یقین کیا، نیک

اعمال کرتا رہا، اُس کا اَجر اُس کے ربّ کے ذمہ ہو گیا اور اُس کیلئے نہ تو کسی خوف (مستقبل میں) اور نہ ہی کسی رنج (ماضی میں) کا موقع ہے۔

ایمان کا عملی معیار:

ظالم کو ظالم کہنے کی ہمت دیتا ہے۔

مایوس کو سہارا دیتا ہے۔

دولت، شہرت، اقتدار کو نظر انداز کر کے عدل کا راستہ اپنا تا ہے۔

ایمان اگر اندرونی انقلاب نہ بنے تو وہ صرف لفاظی ہے۔

نتیجہ

یہ دستور لکھا جا سکتا ہے، سمجھایا جا سکتا ہے، مگر ایمان صرف "جیا" جا سکتا ہے۔ اِس لئے اب فیصلہ آپ پر ہے کہ کیا آپ سچائی کو صرف سنو گے، یا اپناؤ گے بھی؟ کیا آپ شک کے دائرے میں قید رہو گے، یا ایمان کے دائرے میں قدم بھی رکھو گے؟ کیا آپ روحانی خلاء کے غلام رہو گے، یا نجات کے راستے پر پہلا قدم بھی رکھو گے؟۔

اختتامیہ

اگر خدا ہے تو وہ سب کچھ ہے اور اگر وہ نہ ہو تو کچھ بھی نہیں یعنی ہمارے پاس شعور ختم۔ علم ختم۔ روح ختم۔ اخلاق ختم۔ حتیٰ کہ ہمارا اپنا وجود بھی ختم اور اِس پوری کائنات میں ہم یک تنہاء لامحدود اذیت لئے کھڑے ہوں۔ سچ کہا ربّ نے کہ "وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ۔" اور نہ ہو جانا اُن لوگوں کی مانند جنہوں نے خدا کو بھلا دیا تو پھر خدا نے بھی اُنہیں اپنی ذات سے بے بہرہ کر دیا۔ (سورہ الحشر۔ آیت 19)

مگر

ایسا نہیں ہے کیونکہ خدا ہے ۔ وہ قادر مطلق ہے ۔ وہ اوّل و آخر ہے ۔ وہ رحمان ہے کیونکہ اُس نے ہمیں ہماری مرضی اور شعور کے بغیر وجود بخشا اور اب ہمیں ہمارے نیک ارادوں اور اعمال کے سبب ایک نہ ختم ہونے والی زندگی یعنی ابدیت میں شامل کرلے گا، تمام اُن سہولتوں کے ساتھ جن کا ہم ادراک تک نہیں کرسکتے ۔ اِسی کا تذکرہ کیا ہے خدا نے قرآن میں کہ "فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّآ اُخۡفِیَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ" ۔ پس کوئی انسان نہیں جانتا کہ کیا کچھ خدا نے اُس کی آنکھوں کی ٹھنڈک اُس کیلئے چھپا کے رکھی ہے، یعنی اُس کے نیک اعمال کا بدلہ ۔ (سورہ السجدہ ۔ آیت 17)

اگر آپ نے سب کچھ جاننے کے باوجود بھی ایمان نہیں پایا تو یہ جاننا بیکار رہے ۔

☆☆☆☆☆



سید المجاذیب خواجہ نعمان نیئر کلاچوی صوبہ خیبر پختونخواہ کی ایک دور اُفتادہ تحصیل کلاچی کے باسی ہیں۔ آپ ایک جامع العلوم شخصیت ہیں۔ آپ بیک وقت مذاہبِ عالم، علم الکلام و فلسفہ، شعر و اَدب، صحافت و بلاغت، معاشرت و سیاست، نفسیات و روحانیات اور رقص و موسیقی پر گہری گرفت رکھتے ہیں۔ آپ ایک طویل عرصے سے مسلسل گوشہ نشینی اختیار کئے ہوئے ہیں اور دریں اثناء علمی و تحقیقی کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ ماڈرن فلاسفی اور علمِ نفسیات پر آپ کا علمی کام اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں انٹرنیٹ پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ آپ چھ کتابوں "عشق کی سائنس"، "تصوف کی ڈکشنری"، "صراطِ دانش"، "سوزِ نہاں"، "قبیلہ نور احمد خیل" اور " Trek to Intellect " کے مصنف ہیں۔ علاوہ ازیں دیگر کئی مقالات و علمی شذرات کے بھی موٴلف و مصنف ہیں۔ زیرِ نظر مقالہ بھی آپ ہی کی علمی و تحقیقی جہد کا ماحصل ہے۔